من لا یحضره الفقیه

اردو

للشیخ الجلیل الأقدم

الصدوق

أبی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه القمی

مترجم :- سید امداد حسن صاحب
ممتاز الافاضل

پیشکش :- سید اشفاق حسین نقوی

ناشر

الکساء پبلیشرز

آر-۱۵۹ سیکٹر ۵ بی ۲ نارتھ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	من لایحضرہ الفقیہ (اردو)
مؤلف	شیخ الصدوق علیہ الرحمہ
مترجم	سید حسن امداد صاحب ممتاز الافاضل (غازی پوری)
تزئین	سید فیضیاب علی رضوی
کمپوزنگ	شگفتہ کمپوزنگ اینڈ گرافک سینٹر B 1/62 بلاک 3 میزانائن فلور الکرم اسکوائر لیاقت آباد کراچی
طباعت	قریشی آرٹ پریس ناظم آباد کراچی
اشاعت اول	نومبر 1994ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	150 روپے

الکساء پبلیشرز

آر۔ ۱۵۹ سیکٹر ۵ بی ۲ نارتھ کراچی

تاریخ اشاعت ترجمہ من لایحضرہ الفقیہ

مؤلفہ

افقہ الفقہا شیخ صدوق علیہ الرحمہ

از بستہ

سید مشیر حسین صاحب رضوی عقیلؔ (چھولسی)

شیخ صدوق کی فقہ کی کتاب
جس سے معمور ہیں علوم کے باب

مجتہد کیلئے نصاب ہے یہ
گویا احکام دیں کا باب ہے یہ

فضل ربی تھا شامل تعمیل
لکھی تاریخِ ترجمہ جو عقیلؔ

ہزار چار صد و چار دہ سن ہجری
عقیلؔ ہم نے یہ تاریخ ترجمہ کی لکھی

از محمد شفیع الحسنین ریٹائرڈ پروفیسر

کتاب فقہ شیخ صدوق کی
ہے جامع قرآن واحادیث کی

احادیث و قرآں کی قائم مقام
آئمہ ہیں جسطرح بعداز نبی

کیا ترجمہ جس کا امداد (۱) نے
اور اردو میں اشفاق (۲) نے پیش کی

نہ ہو پاس جس کے کوئی مجتہد
یہ رہبر ہے اس مومن پاک کی

اشاعت کی تاریخ تبعی کے ساتھ
۱۲۲

کتاب	کریم	ھدی	المتقی
۴۲۳	۲۷۰	۱۹	۵۸۱

۱۴۱۵

۱) جناب سید حسن امداد صاحب ممتاز الافاضل
۲) مجاہد ملت جناب سید اشفاق حسین صاحب نقوی

کتاب " من لا یحضرہ الفقیہ " جلد اول کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ یہ ایسی اہم کتاب ہے جس کا شمار اپنی کتب اربعہ میں ہوتا ہے اور " اصول کافی " کے بعد یہ دوسری کتاب ہے جو شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی تالیف ہے۔ اس کا نام من لا یحضرہ الفقیہ (جس کے پاس کوئی فقیہ موجود نہ ہو) یہی بتاتا ہے کہ یہ عوام کے لئے لکھی گئی تھی۔ مگر یہ اب تک عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رہی۔ یہ فقہ کی بنیادی کتاب ہے۔ اس کے بعد فقہ کی کتابیں ہر دور میں تحریر کی جاتی رہی ہیں لیکن " کتب اربعہ " میں اسی کو جگہ ملی۔ آخر اس میں کوئی ایسی بات تو ہے جو اس کو اتنی اہمیت دی گئی۔ یہ کتاب، تمام ابواب فقہ پر مشتمل ہے۔ یہ کسی عالم کے فتاویٰ کا مجموعہ نہیں بلکہ ہر مسئلہ کے متعلق آئمہ طاہرین کی احادیث نقل کر دی گئی ہیں جن کی روشنی میں ہمارے علماء و فقہاء حضرات فتوے جاری کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی کہ ہمارے علماء و فقہاء حضرات اپنی طرف سے کوئی فتویٰ دیتے ہیں بلکہ اس کی بنیاد آئمہ طاہرین کی کوئی نہ کوئی حدیث ہی ہوتی ہے۔

سید حسن امداد (غازی پوری)
ممتاز الافاضل

ان کی نسل میں بڑے بڑے علماء و فضلاء و صلحا پیدا ہوئے خصوصاً شیخ صدوق علیہ الرحمہ۔

حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ کی توقیع آپ کے والد کے نام

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب غیبت میں امام عصر کی وہ توقیعات و خطوط جو ناحیہ مقدسہ سے جاری ہوئے ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ابو العباس احمد بن علی بن نوح سے روایت ہے اور انہوں نے ابی عبداللہ الحسین بن محمد بن سورہ قمی سے روایت کی ہے جبکہ وہ سفرحج میں ہم لوگوں کے یہاں تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے علی بن الحسن بن یوسف الصائغ قمی اور محمد بن احمد بن محمد صیرفی المعروف بہ ابن دلال نے اور ان دونوں کے علاوہ مشائخ اہل قم نے کہ علی بن الحسین بن بابویہ (والد شیخ صدوق) کی زوجیت میں ان کے چچا محمد بن موسیٰ بن بابویہ کی دختر تھیں مگر ان سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہو رہی تھی تو آپ نے حضرت شیخ ابی القاسم حسین بن روح علیہ الرحمہ (مجملہ نوابین اربعہ) کو خط لکھا کہ وہ حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ سے درخواست کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں ایسی اولاد عطا کرے جو فقیہ ہو تو جواب میں یہ توقیع آئی کہ اس زوجہ سے تمہیں کوئی اولاد نہ ہوگی مگر عنقریب ایک دیلمی کنیز تمہاری ملکیت میں آئے گی اور اسی سے تمہارے دو فقیہ فرزند پیدا ہوں گے۔ ابو عبداللہ بن سورہ کا بیان ہے کہ ابو الحسن بابویہ کے تین فرزند پیدا ہوئے ایک محمد دوسرے حسین یہ دونوں فقیہ تھے اور حفظ میں ماہر تھے ان کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ یہ دونوں وہ سب کچھ حفظ کرلیتے تھے جن کو اہل قم میں سے کوئی حفظ نہیں کرپاتا تھا۔ ان کے تیسرے بھائی حسن تھے جو مجھلے (اوسط) تھے وہ فقیہ نہ تھے لوگوں سے اختلاط کم رکھتے اور ہمیشہ زہد و عبادت میں معروف رہتے اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ابن سورہ کا بیان ہے کہ یہ دونوں حضرات یعنی ابو جعفر محمد (شیخ صدوق) اور ان کے بھائی ابو عبداللہ الحسین جس وقت روایات بیان کرتے تو لوگ حیرت زدہ رہ جاتے اور کہتے کہ آپ دونوں میں یہ خصوصیت امام علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہے اور یہ بات اہل قم میں بہت مشہور تھی۔

حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ کی دعا کی برکت

نجاشی نے بھی اپنی کتاب رجال میں تحریر کیا ہے کہ شیخ صدوق کے والد علی بن الحسین ایک مرتبہ عراق تشریف لائے اور ابوالقاسم حسین بن روح سے ملاقات کی ان سے چند مسائل دریافت کئے پھر جب قم واپس گئے تو علی بن جعفر بن اسود کے توسط سے انہیں خط لکھا کہ میرا یہ عریضہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام تک پہنچادیں اُس عریضہ میں انہوں نے اولاد پیدا ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی تھی اور امام علیہ السلام نے ان کے خط کا جواب دیا کہ میں نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کردی ہے اور عنقریب تمہارے یہاں دو بہترین فرزند پیدا ہوں گے۔ نیز شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب کمال الدین و تمام النعمتہ صفحہ ۲۷۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابو جعفر محمد بن علی الاسود نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ

آپ کے والد یعنی علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی رحمتہ اللہ نے محمد بن عثمان عمریؒ کی وفات کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ ابوالقاسم روحی سے گزارش کریں کہ وہ مولانا صاحب العصر علیہ السلام سے میری طرف سے درخواست کریں کہ حضرت میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ایک فرزند نرینہ عطا فرمائے میں نے ان کے کہنے کے بموجب ابوالقاسم روحی سے گزارش کی تو انہوں نے انکار کر دیا مگر تین دن کے بعد انہوں نے بتایا کہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام نے علی ابن الحسین کے لئے دعا کر دی ہے اور عنقریب انکے ایک مبارک فرزند پیدا ہوگا جو لوگوں کو بہت نفع پہنچائے گا اور اس کے بعد اور بھی اولاد ہوگی چنانچہ اسی سال آپ (یعنی محمد بن علی بن الحسین شیخ صدوق) پیدا ہوئے اور آپ کے بعد اور بھی اولادیں پیدا ہوئیں اور اسی کتاب میں وہ آگے اپنی طالب علمی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب محمد علی الاسود مجھے شیخ محمد بن حسن بن احمد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے درس میں جاتے ہوئے دیکھتے اور میرا علمی شوق اور حفظ کو ملاحظہ کرتے تو فرماتے کہ تمہارے اندر جو علم سے اتنی رغبت ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ تم امام علیہ السلام کی دعا کی برکت سے پیدا ہوئے ہو۔

اور نجاشی نے اپنی کتاب رجال صفحہ ۱۸۵ پر تحریر کیا ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اکثر فخر سے کہا کرتے تھے کہ میں حضرت صاحب العصر کی دعا کی برکت سے پیدا ہوا ہوں علمائے نجف میں سے بعض شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی سوانح حیات لکھنے والوں نے یہ لکھا ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی تاریخ میں یہ بات واضح نہیں کہ ان کے والد علیہ الرحمہ نے وہ کنیز کب اور کیسے خریدی ۔ مگر ظن غالب یہ ہے کہ انہوں نے امام علیہ السلام کی توقیع پڑھنے کے بعد کسی دیلمی کنیز کو تلاش کر کے خریدا تاکہ انہیں وہ گوہر مقصود مل جائے جس کی امام نے خبر دی ہے اور اس کنیز سے پہلے ایک مبارک فرزند نرینہ پیدا ہوا اور وہ یہی ہمارے شیخ محمد بن علی الحسین بن موسیٰ بن بابویہ صدوق علیہ الرحمہ تھے کہ قمیوں میں ان کا مثل کوئی نظر نہیں آتا اور جن کی ولادت سے آپ کے والد کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اس میں خیر و برکت کی نشانیاں نظر آنے لگیں اس لئے کہ یہ امام کی دعا کی برکت اور ان کی بشارت سے پیدا ہوئے اور امام علیہ السلام نے انہیں خیر و برکت وقفہ اور لوگوں کے لئے ان سے بہت زیادہ نفع پہنچنے کی امید دلائی تھی۔

آپ کا سن ولادت حضرت حسین ابن روح کی نیابت کا پہلا سال

ان کی ولادت قم میں ۳۰۵ھ کے بعد ہوئی جو حسین ابن روح کی سفارت کا پہلا سال تھا جیسا کہ تاریخ ابن اثیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ۳۰۵ھ کے حادثات میں تحریر کیا کہ اسی سن ماہ جمادی الاول میں ابو جعفر محمد بن عثمان عسکری المعروف بہ السمان کی وفات واقع ہوئی جن کو لوگ عمری کے لقب سے پہچانتے ہیں اور یہ امامیہ کے رئیس و سردار تھے اور ان کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ امام منتظر تک رسائی کا ذریعہ تھے اور انہوں نے مرتے وقت ابوالقاسم حسین بن

Hugelaini

روح کو اپنا وصی بنایا اور شیخ طوسی نے اپنی کتاب الغیبۃ میں تحریر کیا ہے کہ ان کی وفات جمادی الاول کی آخری تاریخوں میں ہوئی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ صدوق کی ولادت ۳۰۶ھ یا اس کے بعد ہوئی اس لئے کہ عمری کی وفات اور ابو القاسم روحی کی سفارت اسی سال کے ماہ جمادی الاول میں ہوئی اور ابو القاسم روحی کی سفارت کے اوائل میں شیخ صدوق کے والد عراق آئے۔ ابو القاسم روحی سے کچھ مسائل دریافت کئے پھر واپس ہوئے پھر علی بن جعفر اسود کے ہاتھوں انہوں نے ایک خط روانہ کیا پھر امام کی طرف سے اس کا جواب پھر کنیز کی خریداری پھر زمانہ حمل ولادت اس کو ایک عرصہ چاہیئے اور کچھ نہیں تو کم از کم ۳۰۶ھ یا اس کے بعد ان کی ولادت ہونی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ صدوق اپنے والد اور اپنے شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ زمانہ غیبت صغریٰ میں بیس سال سے کچھ زیادہ عرصے رہے کیونکہ ان دونوں کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی اور ابی الحسن علی بن محمد سمری سفراء اربعہ میں سے آخری کی وفات بھی اسی سال ہوئی اور پھر غیبت کبریٰ کا دور شروع ہوا۔

نجاشی کی رائے

نجاشی اپنی کتاب رجال صفحہ ۲۷۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی ابو جعفر شہر رے میں وارد ہوئے یہ ہمارے شیخ ہمارے فقیہ ہیں اور خراسان میں فرقہ شیعہ کے رئیس و سردار تھے یہ بغداد کے اندر ۳۵۵ھ میں تشریف لائے حالانکہ وہ ابھی کمسن ہی تھے مگر یہاں کے اکثر شیوخ نے ان سے احادیث کا درس لیا اور انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں ہیں۔ پھر آپ نے ان کی تصنیف کردہ ایک سو نوے (۱۹۰) سے کچھ زیادہ کتب و رسائل شمار کرائے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ان ہی نے اپنی کتابوں کے نام ہمیں بتائے اور انہوں نے اپنی بعض کتابوں کو میرے والد علی بن احمد بن عباس نجاشی کو پڑھ کر سنایا۔ مرحوم کا انتقال رے کے اندر ۳۸۱ھ میں ہوا۔

شیخ طوسی کی رائے

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رجال میں تحریر کیا کہ آپ ایک جلیل القدر حافظ تھے فقہ و اخبار و رجال پر بڑی نظر رکھتے تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن کا ذکر میں نے کتاب الفہرست میں کیا ہے۔

اور کتاب الفہرست میں تحریر فرمایا کہ آپ ایک جلیل القدر عالم تھے احادیث کے حافظ تھے رجال پر بہت نظر رکھتے تھے اخباروں اور واقعات کے ناقد تھے۔ قم کے علماء کے اندر کثرت حفظ احادیث میں ان کا کوئی مثل نظر نہیں آتا ان کی تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کردہ ہیں اور ان کی کتابوں کی فہرست بہت معروف ہے۔ پھر آپ نے ان کی تقریباً چالیس (۴۰) کتابیں شمار کرانے کے بعد کہا کہ اور اس کے علاوہ بہت سی کئی کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں جن کے نام مجھے یاد نہیں ہیں اور ان کی تمام کتابوں کے نام ہمارے اصحاب میں کچھ لوگوں نے ہمیں بتائے جن میں شیخ ابو عبداللہ محمد بن محمد

بن النعمان (یعنی شیخ مفید علیہ الرحمہ) اور ابو عبداللہ بن حسین عبید اللہ اور ابوالحسین جعفر بن حسن ابن حسکہ قمی و ابوزکریا محمد بن سلیمان ہمدانی رضی اللہ عنہم ہیں۔

علامہ حلی کی رائے

اور علامہ حلی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب خلاصۃ الاقوال جلد اول میں ان کے متعلق وہی لکھا ہے جو نجاشی اور شیخ طوسی نے تحریر فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ان کی تقریباً تین سو تصانیف ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اپنی کتاب کبیر میں کر دیا ہے آپ نے ۳۸۱ھ میں وفات پائی اور علامہ سید بحرالعلوم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فوائد رجالیہ میں تحریر کیا ہے کہ آپ مشائخ شیعہ میں سے ایک شیخ اور ارکان شریعت میں سے ایک رکن تھے رئیس المحدثین تھے اور آئمہ طاہرین سے جس قدر روائتیں کی ہیں ان میں صدوق (حد سے زیادہ راست گو) تھے آپ امام عصر کی دعا کی برکت سے پیدا ہوئے اور یہ فضل و شرف و افتخار ان کو اسی وجہ سے حاصل ہوا۔ امام عصر عجل اللہ فرجہٗ نے اپنی توقیع میں لکھا کہ یہ فقیہ اور مبارک ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو بہت فائدہ پہنچائے گا۔ اس لئے ساری دنیا پر آپ کے علم کی برکت چھا گئی اور ہر خاص و عام نے ان سے نفع حاصل کیا آپ کی تصانیف مدت تک باقی رہیں گی اور انکی فقہ و حدیث سے فقہاء اور وہ عوام جن کے پاس کوئی مرد فقیہ نہ ہو منتفع ہوں گے۔ اس کے بعد آپ نے شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی ولادت کے متعلق روایات کو نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ یہ روایات صدوق کے عظیم المرتبت ہونے کی دلیل ہیں ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے اوصاف بیان کر دینا امام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے اور امام کا ان کے متعلق یہ فرمانا کہ وہ فقیہہ و بابرکت ہوگا لوگوں کو بہت نفع پہنچائے گا یہ شیخ صدوق کی عدالت اور وثاقت کی دلیل ہے اس لئے کہ ان کی روایت اور ان کے فتویٰ سے لوگ منتفع ہوں گے کہ فتویٰ وغیرہ بغیر عدالت کے مکمل نہیں اس میں عدالت کی شرط ہے اور امام کی طرف سے اس کی توثیق ان کی وثاقت کی بھی بہت بڑی دلیل ہے نیز ہمارے بعض علمائے کرام نے تو انکی وثاقت پر نص کر دی ہے جیسے الثقۃ الفاضل محمد بن ادریس حلی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السرائر و المسائل میں اور سید الثقۃ الجلیل علی بن طاؤس علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب فلاح السائل و نجاح الامل میں اور کتاب النجوم و کتاب الاقبال و کتاب غیاث سلطان الوریٰ لسکان الثریٰ میں اور علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب المختلف و المنتہیٰ میں شہید نے نکت الارشاد و کتاب الذکریٰ میں ان کی وثاقت کی نص کر دی ہے۔ پھر آپ نے علمائے متاخرین میں سے چند کے نام بتائے ہیں جنہوں نے ان کی وثاقت کی تصریح کر دی ہے اور بہر حال شیخ صدوق کی وثاقت واضح اور روشن چیز ہے بلکہ معلوم ہے اور ضروری ہے کہ جس طرح حضرت ابوذر و حضرت سلمان فارسی کی وثاقت معلوم ہے اور اگر یہ کچھ بھی نہ ہو تو علماء کے درمیان ان کا لقب صدوق مشہور ہونا ہی ان کی وثاقت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

شیخ عبداللہ مامقانی کی رائے

اور علامہ ثقہ حجتہ الاسلام شیخ عبداللہ مامقانی رحمہ اللہ نے تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ میں ان کے وہی حالات تحریر کئے ہیں جو نجاشی و شیخ طوسی و علامہ وغیرہ نے تحریر کئے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی وثاقت میں تامل کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی آفتاب درخشندہ کی روشنی میں تامل کرے اور وہ تامل اس قابل نہیں کہ کتابوں میں درج کیا جائے اور ان کی وثاقت کو کیونکر نہ تسلیم کر لیا جائے جبکہ حضرت حجتہ المنتظر عجل اللہ فرجہ نے اس امر کی خبر دے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ذات سے نفع پہنچائے گا اس لئے ان کو موثق اور عادل ماننا ضروری ہے کیونکہ ان سے استفاع (فائدہ) ان کی روایت اور ان کے فتوئی ہی سے ہوگا اور یہ بغیر عدالت کے پورا اور مکمل نہیں ہو سکتا۔

علامہ طباطبائی کی رائے

اور علامہ طباطبائی نے ان کی عدالت پر یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ ان کے اقوال کے نقل نیز ان کی کتابوں خصوصاً من لایحضرہ الفقیہ کی توثیق پر تمام اصحاب فقہ کا اجماع ہے۔

اس کے علاوہ طباطبائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے کتاب رجال میں دو باتیں تحریر کی ہیں ایک یہ کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ ۳۵۵ھ میں وارد بغداد ہوئے مگر یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ صدوق علیہ الرحمہ دو مرتبہ بغداد تشریف لائے اور نجاشی نے محض دوسری مرتبہ کے ورود کا تذکرہ کیا ہے پہلا ورود تو اس وقت ہوا جب وہ ۳۵۲ھ میں نیشاپور سے عراق منتقل ہوئے جیسا کہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے چنانچہ ان کی کتاب عیون اخبار الرضا میں ہے کہ "بیان کیا مجھ سے ابوالحسن علی بن ثابت روابینی نے مدینہ السلام یعنی بغداد کے اندر ۳۵۲ھ میں" اور اس سال میں ان کا نیشاپور سے بغداد تشریف لانا ان کی کتاب کے مختلف ابواب سے ثابت ہوتا ہے چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں" بیان کیا مجھ سے عبدالوحد بن عبدوس نے نیشاپور کے اندر شعبان ۳۵۲ھ میں "اس سے پتہ چلتا ہے کہ نجاشی نے جو تاریخ ورود بغداد دی ہے وہ دوسری مرتبہ ورود کی ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پہلا ورود بغداد، کوفہ کے ورود سے پہلے ہے چنانچہ عیون الاخبار کے گیارہویں باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن بکران النقاش سے کوفہ کے اندر ۳۵۴ھ میں سنا۔ بہرحال ان دونوں تاریخوں میں فرق اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۳۵۲ھ کے آخر میں نیشاپور سے بغداد آئے پھر کوفہ منتقل ہوگئے اور ۳۵۴ھ میں کوفہ کے اندر رہے پھر ۳۵۵ھ میں بغداد منتقل ہوگئے۔

دوسری بات یہ کہ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ اگرچہ وہ کمسن تھے مگر ان سے بڑے بڑے شیوخ نے احادیث سنیں مگر ۳۵۵ھ میں ان کا ورود یہ بتاتا ہے کہ اس وقت ان کا سن چالیس سے کچھ زیادہ کا تھا اس سن میں ان کو کمسن نہیں کہا جاسکتا۔

نشوونما، اساتذہ اور آپ کے اسفار

نجف اشرف کے بعض افاضلین تحریر کرتے ہیں کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی نشوونما فضل وشرف کے آغوش میں ہوئی ان کے پدر بزرگوار انہیں علوم و معارف کی غذا کھلاتے رہے اور اپنے علوم و آداب کی ان پر بارشیں کرتے رہے۔ اپنے صفات زہد و تقویٰ وورع کی روشنیوں سے ان کے نفس کو جگمگاتے رہے اور اس طرح ان کی علمی نشوونما مکمل ہو گئی۔

الغرض آپ اپنے باپ کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے جن میں علم و عمل دونوں فضائل جمع تھے ان میں دینی ودنیاوی وجاہتیں موجود تھیں اسلئے کہ آپ کے والد اپنے زمانے میں قمیین کے شیخ ان کے فقیہ تھے لوگوں کی نگاہیں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ اپنے علم اور دین داری کی وجہ سے مشہور تھے۔ اپنے ورع اور تقویٰ کی وجہ سے یہ بہت متعارف تھے تمام دیار وامصار کے اکثر شیعہ آپ کے پاس آتے اور شرعی احکام حاصل کرتے ان کا ذریعہ معاش ان کے علمی مقام کے لئے مانع نہ تھا ان کی تجارت تھی جس کو ان کے ملازمین چلاتے اور آپ بہ نفس نفیس ان کی نگرانی کرتے اور تجارت سے جو کچھ اللہ دیتا اس سے زندگی بسر کرتے انہوں نے کبھی نہ چاہا کہ دوسروں کی دولت سے ثروت مند بن جائیں۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ ایسے ماحول میں پرورش پاتے رہے اور تقریباً بیس سال سے زیادہ آپ نے اپنے والد کا زمانہ پایا اور اسی اثناء میں وہ ان کے ایسے اخلاق وآداب ومعارف وعلوم سے فیض حاصل کرتے رہے جس کی بنا پر وہ اپنے ہم عصروں میں سب سے بلند تھے۔ آپ کی ابتدائی اور اولین نشوونما ایران کے ایک شہر قم میں ہوئی جو اس وقت ایک بڑا علمی مرکز تھا جس میں علماء ومحدثین کی کثرت تھی اور تحصیل علم کے لئے بڑا اچھا ماحول تھا۔ اہل قم ان میں خیر و بہتری کے نشانات دیکھ رہے تھے اور امام کی دعا کی وجہ سے لوگ ان سے بہتر توقعات رکھتے تھے۔ پھر بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یہ (شیخ صدوق علیہ الرحمہ) کامل جوان ہو گئے اور حفظ وذکاوت کی ایک مثالی شخصیت بن کر ابھرے۔ شیوخ کی مجالس میں حاضر ہوتے ان سے احادیث سنتے اور ان سے روایت لیتے اور چند دنوں میں لوگوں کی انگلیوں کے اشارے ان کی طرف ہونے لگے۔ چنانچہ آپ نے شیوخ اہل قم سے مثلاً محمد بن حسن بن احمد بن ولید اور حمزہ بن محمد بن احمد ابن جعفر بن محمد بن زید بن علی علیہ السلام سے کچھ سنا اور ان سے حاصل کیا اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ طلب حدیث کے لئے سفر کیا اور رجب ۳۳۹ھ میں وطن سے نکلے اور اس کے بعد پے در پے مختلف شہروں کا سفر کرتے اور ان شہروں کے علماء سے استماع حدیث کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ایران پر آل زیاد اور آل بابویہ کی حکومت تھی۔ یہ لوگ اہل علم کی بڑی قدر و منزلت و خدمت کیا کرتے تھے اس لئے ان کے گرد علماء وشعراء جمع ہو گئے جیسے صاحب ابن عباد وغیرہ اور ان کے دور میں بہت سے علمی مراکز جابجا قائم ہو گئے تھے جیسے قم وخراسان ونیشاپور واصفہان وغیرہ جو علماء واساتذہ سے آباد تھے طلباء وہاں تحصیل علم کے لئے جاتے اور وہاں کے امراء و حکام ان کی سرپرستی کرتے ان کے لئے وظائف مقرر کرتے اور ان کا اکرام کرتے۔

(۱) شہر رے میں ورود

ان امراء میں ایک رکن الدین بویہی بھی تھا جس کو بہت سے علماء کی صحبت حاصل تھی دوسرے شہروں سے علماء کو بلاتا ان سے دینی و دنیاوی فائدہ حاصل کرتا چنانچہ اس نے شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے بھی استدعا کی اور اس استدعا اور خواہش میں اہالیان شہر رے بھی شریک تھے۔ ان لوگوں نے بھی ان کو رے آنے کی دعوت دی آپ نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اس لئے کہ اللہ کی طرف سے علماء پر یہی فریضہ عائد ہوتا ہے آپ وہاں پہنچے اور وہاں قیام کیا۔ اہالیان شہر ان کے پاس آتے اور احکام شرعی معلوم کرتے نیز صاحبان علم وعقل ان کے گرد جمع ہوتے اور آپ اپنے علوم ومعارف سے ان کو فیض پہنچاتے آپ کے دروازے پر جو آتا اس سے بخل نہ کرتے پھر اس شہر میں جتنے شیوخ تھے ان سے انہوں نے بھی اخذ حدیث کیا چنانچہ رجب ۳۴۷ھ میں رے کے اندر آپ نے ابو الحسن محمد بن احمد بن اسد اسدی المعروف بہ ابن جرادہ بردعی اور یعقوب بن یوسف بن یعقوب اور احمد بن محمد بن المعتز الصائغ العدل وابی علی احمد بن محمد بن حسن القطان المعروف بہ ابی علی بن عبدربہ رازی سے احادیث سماعت کیں یہ صائغ وقطان اہل رے کے شیوخ میں سے تھے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے دیگر شہروں کے بھی سفر کئے اور جہاں جہاں تشریف لے گئے۔ وہاں کے شیوخ سے اخذ احادیث کرتے رہے۔

(۲) مشہد مقدس

صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب عیون الاخبار الرضا کے خاتمہ میں کہتے ہیں کہ میں نے امیر سعید رکن الدولہ سے زیارت مشہد رضا کی اجازت چاہی انہوں نے رجب ۳۵۲ھ میں مجھے اجازت دی یہ آپ کے لئے مشہد مقدس کی پہلی زیارت تھی دوسری زیارت ماہ ذی الحجہ ۳۶۷ھ میں کی اور شہر رے واپس آئے پھر تیسری زیارت مشہد مقدس کی ماہ شعبان ۳۶۸ھ میں ماوراء النہر جاتے ہوئے کی۔

(۳) استرآباد و جرجان

آپ استرآباد و جرجان بھی تشریف لے گئے وہاں ابی الحسن محمد بن قاسم مفسر استرآبادی خطیب سے تفسیر امام حسن عسکری اور ابی محمد قاسم بن محمد استرآبادی وابی محمد عبدوس بن علی بن عباس جرجانی و محمد بن علی استرآبادی سے احادیث کا استماع کیا۔

(۴) نیشاپور

یہ ایک شہر ہے جو رے اور سرخس کے درمیان خراسان کے راستہ پر واقع ہے مشہد مقدس کی زیارت سے واپسی میں ۳۵۲ھ میں آپ نے وہاں چند دن قیام فرمایا وہاں کے لوگ آپ کے پاس جمع ہوتے مسائل پوچھتے اور ان کے جوابات لیتے۔

(۵) مردالرود

مردالرود یہ بھی مرو شاہجہاں کے قریب پانچ دن کی مسافت پر ایک شہر ہے یہ دونوں خراسان کے شہروں میں سے ہیں آپ خراسان کے سفر میں وہاں تشریف لے گئے تھے۔

(۶) سرخس

سرخس یہ نواحی خراسان میں ایک قدیم شہر ہے جو نیشاپور اور رے کے بالکل درمیان راستہ پر واقع ہے خراسان کے سفر میں آپ یہاں بھی تشریف لائے۔

(۷) سمرقند

یہ ماورالنہر کے شہروں میں سے ایک بہت مشہور و معروف شہر ہے کہا جاتا ہے کہ اس کو حضرت ذوالقرنین نے آباد کیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو شمر حمیری نے آباد کیا یہ ماوراالنہر کے اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے آپ وہاں ۳۶۸ھ میں تشریف لائے تھے۔

(۸) بلخ

یہ ایران کے قدیم شہروں میں سے ہے اس کے اور سمرقند کے درمیان بارہ فرسخ کی مسافت ہے آپ یہاں ۳۶۸ھ میں تشریف لائے تھے۔

(۹) ایلاق

یہ ماورالنہر کے اضلاع میں سے ایک ضلع ہے جو ضلع شاش سے متصل ہے یہ دونوں شہر سمرقند کے صوبہ میں ہیں آپ یہاں ۳۶۸ھ میں تشریف لائے کچھ دنوں قیام فرمایا اور دوران قیام شریف ابی عبداللہ محمد بن حسن موسوی المعروف بہ نعمت سے ملے یہیں شریف مذکور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی تصنیفات سے واقف ہوئے جو تقریباً اس وقت ۲۴۵ کتابیں تھیں اور اس میں سے اکثر کی انہوں نے نقل حاصل کرلی اور شریف مذکور نے آپ سے محمد بن ذکریا رازی کی تالیف کی ہوئی کتاب من لایحضرہ الطبیب کا ذکر کیا اور فرمائش کی کہ آپ بھی اس طرز کی ایک کتاب فقہ میں لکھ دیں جو مسائل حلال و حرام و شرائع واحکام پر مشتمل ہو تو آپ نے ان کی فرمائش پر کتاب من لایحضرہ الفقیہ تصنیف کی جیسا کہ آپ نے اس کے مقدمہ میں سبب تصنیف کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱۰) فرغانہ

یہ بھی بلخ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اس کے اور بلخ کے درمیان کی جانب تیس منزلیں ہیں آپ دوران سفر یہاں بھی تشریف لے گئے۔

(۱۱) ھمدان

آپ ۳۵۴ھ میں حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے یہاں تشریف لائے۔

(۱۲) بغداد

آپ یہاں ۳۵۲ھ میں تشریف لائے وہاں کے شیوخ نے آپ سے احادیث سنیں اور آپ نے وہاں کے شیوخ سے احادیث کا استماع کیا پھر دوسری مرتبہ حج بیت اللہ سے واپسی پر ۳۵۵ھ دوبارہ بغداد تشریف لائے اور بغداد میں جن شیوخ سے آپ نے استماع حدیث کیا وہ ابو محمد حسن بن یحییٰ حسینی علوی وابوالحسن علی بن ثابت دوالیبی ہیں ان سے آپ نے اپنی پہلی تشریف آوری ۳۵۲ھ میں استماع کیا تھا۔ پھر آپ نے محمد بن عمر الحافظ اور ابراہیم بن ہارون حسینی سے احادیث کا استماع فرمایا۔

(۱۳) کوفہ

آپ ۳۵۴ھ میں دوران سفر حج کوفہ بھی تشریف لائے اور وہاں کی جامع مسجد میں بہت سے شیوخ سے احادیث کا استماع کیا جیسے محمد بن بکران نقاش واحمد بن ابراہیم بن ہارون قاضی وحسن بن محمد بن سعید ہاشمی وابی الحسن علی بن عیسیٰ مجاور مسجد کوفہ نیز دیگر شیوخ سے دوسرے مقامات پر اخذ احادیث فرمایا چنانچہ محمد بن علی کوفی سے مشہد امیرالمومنین علیہ السلام کوفہ میں اور ابی الحسن علی بن حسین بن شقیر بن یعقوب بن عرث بن ابراہیم ہمدانی سے کوفہ میں ان کے مکان پر اور ابی ذر یحییٰ بن زید بن العباس بن ولید بزاز اور حسن بن محمد سکونی مزکی سے کوفہ ہی میں استماع کیا مگر یہ نہیں معلوم کہ کس مقام پر۔

(۱۴) مکہ و مدینہ

آپ ۳۵۴ھ میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقبور آئمہ طاہرین کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے۔

(۱۵) فید

یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ اور کوفہ کے درمیان تقریباً نصف راہ پر واقع ہے اور مکہ سے واپسی میں یہاں ابی علی احمد بن ابی جعفر بیہقی سے استماع حدیث کی۔

غرض جو شخص شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی تصانیف اور خصوصاً آپ کی کتاب ثانی الاصول (من لا یحضرہ الفقیہ) کا مطالعہ کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ نے جید علماء خاصہ و عامہ سے مختلف علوم و فنون کے متعلق روایات لی ہیں چوتھی صدی کے علمی مراکز جیسے بغداد، کوفہ، رے، قم، نیشاپور، طوس، بخارا نیز جن جن شہروں کے آپ نے سفر کئے وہاں ایسے ایسے نادر روزگار علماء کو حدیثیں سنائیں اور ان سے حدیثیں سنیں کہ جن کے پاس لوگ اخذ روایت کے لئے دور دور سے آیا کرتے تھے۔

تصانیف

آثار علمی

پچھلے صفحات میں جب آپ نے یہ پڑھ لیا کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے مختلف قسم کے علوم و فنون پر تین سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں جس کی ہم یہاں تفصیل کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ رے کے اندر آپ کے نزدیک ہی وزیر مملکت صاحب ابن عباد کا وہ عظیم و بیش بہا کتب خانہ تھا کہ جس کی کتابوں کی فہرست ہی گیارہ جلدوں پر مشتمل تھی اور اس کے علاوہ وہ کتابیں جو آپ کو مختلف سفروں میں مطالعہ کے لئے ہاتھ آئیں اس کتب خانہ کے علاوہ ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے بزرگ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پناہ حافظہ اور ذہن و ذکاوت عطا ہوا تھا اور وہ سب کچھ یاد کر لیتے تھے جو کوئی دوسرا یاد نہیں کر سکتا تھا اہل قم میں ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں تھا۔ وہ اپنی ذات میں ایک چلتے پھرتے اور متحرک مدرسہ تھے جہاں جاتے جس شہر میں وارد ہوتے وہاں آپ بولتے جاتے اور لوگ لکھتے جاتے اور آپ کے زمانے ہی میں آپ کی کتابوں کی نقلیں لوگ کرنے لگے چنانچہ شریف نعمت نے آپ کی دو سو پینتالیس (۲۴۵) کتابیں نقل کرالیں مگر افسوس ان کے علمی خزانوں میں سے اب صرف چند ہم لوگوں کے پاس موجود ہیں جو ان کے علم اور ان کی عظمت کی بچی دلیلیں ہیں اور ان میں سے بھی چند طبع ہوئی ہیں اور اکثر غیر مطبوع اور قلمی ہیں۔ نجاشی و شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجال میں علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں محدث نوری نے مستدرک میں اور طہرانی نے اپنی کتاب الذریعہ میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی ایک سو ننانوے (۱۹۹) کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

تلامذہ

اگر ہم ان تمام لوگوں کو تلاش کرنا چاہیں کہ جنہوں نے شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے کہ اور ان سے علم حاصل کیا ہے تو بحث بہت طویل ہوجائے گی اور اس کے لئے ایک بڑا وقت درکار ہوگا خصوصاً جبکہ ارباب معاجم کے بیان کے مطابق ہم جانتے ہیں کہ جب وہ ابھی کمسن ہی تھے کہ بڑے بڑے شیوخ اصحاب نے ان سے احادیث سننا شروع کر دیا تھا اور جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ انہوں نے علمی مراکز کے بہت سے سفر کئے اور اس میں وہ خود حدیثیں سناتے بھی رہے اور سنتے بھی رہے لوگوں کو علم دیتے بھی رہے اور علم لیتے بھی رہے۔ نیز ہم یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ستر (۷۰) سال سے کچھ زیادہ عمر پائی جسے انہوں نے علمی جہاد میں صرف کر دیا اسی اثنا میں وہ کتابیں بھی تصنیف کرتے رہے اور شیوخ کی مجلسوں میں بھی شریک رہے اصول حدیث کو بھی جمع کرتے رہے اور دینی احکام کی نشرواشاعت بھی کرتے رہے۔ یہ سب دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ممکن نہیں کہ ان تمام لوگوں کی فہرست پیش کریں کہ جنہوں نے شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے کچھ اکتساب کیا ہے اور ہم پر کیا موقوف ان کی سوانح حیات لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی ان کے چند مشہور تلامذہ کے سوا جن کے نام زبان زد خلائق ہیں اور ان کی تعداد تقریباً بیس تک پہنچی ہے اور کسی کی نشاندہی نہیں کی ہے۔

یہ سب میں نے شیخ صدوق کی کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی جلد اول کے مقدمہ سے لیا ہے جس کو افاضل نجف کے بعض محققین نے تحریر کیا ہے اور جو ۱۳۷۷ھ میں نجف کے اندر طبع ہوئی ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی سب سے مشہور کتاب من لایحضرہ الفقیہ ہے اس کا شمار شیعوں کی کتب اربعہ میں ہوتا ہے اور یہ کتب اربعہ وہ ہیں کہ احکام شرعیہ کے اخذ کرنے میں شیعوں کا اس پر دارومدار ہے نو سو سال (۹۰۰) سے زیادہ عرصہ گزر گیا کہ فقہاء وغیرہ فقہاء میں یہ مقبول ہے اور اتنی معتبر اور قابل اعتنا ہے کہ معدودے چند کے سوا اس پر آج تک کوئی اعتراض نہ کرسکا۔ اب اس سے بڑھ کر اس کی اہمیت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

وہ امر جو شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے لئے اس کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی تالیف سبب بنا۔ تو آپ نے اس کے مقدمہ میں اس طرح بیان کیا ہے "جب مقدر مجھ کو بلاد غربیہ کی طرف لے گیا اور میں ایلاق کے قصبہ بلخ میں پہنچا تو شریف الدین بن ابی عبداللہ المعروف نعمت جن کا اصلی نام محمد بن حسن بن اسحاق بن حسین بن اسحاق بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے ساتھ نشست و برخواست میں مسرت اور خوشدلی محسوس کرتا رہا وہ بڑے خوش اخلاق نیک باوقار و دیانتدار و پرہیزگار شخص ہیں انہوں نے ایک مرتبہ محمد بن ذکریا رازی اور اس کی کتاب من لا یحضرہ الطبیب کا ذکر کیا اور مجھ سے فرمائش کی کہ میں بھی ان کے لئے اسی کے طرز پر ایک کتاب من لا یحضرہ الفقیہ تالیف کردوں جو مسائل حلال و حرام و شرائع و احکام کی جامع ہو اپنی تصنیف کردہ دو سو پینتالیس کتابوں

کی نقل کی اجازت بھی دے دوں چونکہ میں نے ان کو اس کا اہل پایا اسے قبول کر لیا اور ان کے لئے یہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ تالیف کر دی اور اس میں حذف اسناد کے ساتھ وہی احادیث رکھی ہیں جس پر میں فتویٰ دیتا ہوں میرے نزدیک صحیح ہیں اور میرا اعتقاد ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان حجت ہیں۔ اور اس میں جو کچھ ہے وہ کتب مشہور معتبرہ سے ماخوذ ہے جیسے حریز بن عبداللہ سجستانی کی کتاب اور عبیداللہ بن علی حلبی کی کتاب اور علی بن مہزیار اہوازی کی کتابیں اور حسین بن سعید کی کتابیں اور نوادر احمد بن محمد بن عیسیٰ اور کتاب نوادر حکمہ معنفہ محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران اشعری اور سعد بن عبداللہ کی کتاب الرحمۃ اور ہمارے شیخ محمد بن حسن بن ولید رضی اللہ عنہ کی کتاب جامع اور نوادر محمد بن ابی عمیر اور احمد بن ابی عبداللہ برقی کی کتاب المحاسن اور اپنے والد رحمہ اللہ کی کتاب الرسالہ وغیرہ اور اس میں بڑی جدوجہد سے کام لیا"
اس کتاب کے متعلق حجۃ الاسلام سید بحر العلوم رحمہ اللہ فوائد رجالیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کتب اربعہ میں سے ایک ہے اور اس کا مشہور و معتبر ہونا اسی طرح روشن ہے جیسے آفتاب نصف النہار۔ اس کی احادیث بلا توقف و بلا اختلاف کتاب صحاح میں موجود ہیں یہاں تک کہ فاضل محقق شیخ حسن ابن شہید ثانی رحمہ اللہ جن کو حدیث کو صحیح سمجھنے کے طریقہ کا پورا علم ہے انہوں نے بھی اس کتاب میں مندرج احادیث کو اپنے نزدیک اور کل کے نزدیک صحیح شمار کیا ہے اور ان کے شاگرد جلیل القدر شیخ عبداللطیف ابن ابی جامع اپنی کتاب رجال میں تحریر کرتے ہیں کہ میں نے انکی زبان سے بالمشافہ سنا وہ فرماتے تھے کہ ہر وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ اس کتاب میں جو حدیثیں مندرج ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ شاہد عادل سمجھا جائے گا ناقل نہیں سمجھا جائے گا۔

اس کے بعد علامہ سید بحر العلوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں سے جو لوگ من لا یحضرہ الفقیہ کی احادیث کو دیگر کتب اربعہ کی احادیث پر ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ صدوق بہت صاحب حافظہ تھے۔ بہترین طور پر یاد رکھتے تھے اور روایت کرنے پر پورے ثابت قدم رہتے تھے اور یہ کتاب کافی کے بعد تصنیف ہوئی ہے اس لئے اس میں جو احادیث لکھی گئی ہیں صحت کی پوری ضمانت اور ذمہ داری سے لکھی گئی ہیں اس میں یہ نہیں کیا ہے کہ اور مصنفین کی طرح روایات میں جو کچھ آیا وہ سب لکھ دیں بلکہ وہی حدیثیں درج کی ہیں جن پر وہ فتویٰ دیتے اس کو صحیح سمجھتے اور اللہ اور اپنے درمیان اس کو حجت سمجھتے تھے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ شیخ صدوق کی مرسل احادیث جو من لا یحضرہ الفقیہ میں درج ہیں وہ حجت و اعتبار میں ابن ابی عمیر کی مرسل حدیثوں کے مانند ہیں۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو اس کتاب کے سوا دیگر اصحاب کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ علاوہ بریں شہید ثانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب شرح درایۃ الحدیث میں تحریر فرمایا کہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی سے لے کر آج تک ہمارے جتنے بھی مشائخ گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اس کی ضرورت نہیں کہ ان کی عدالت کے لئے کوئی تنصیص و تنبیہ پیش کی جائے اس لئے کہ ان لوگوں میں ثقافت، احتیاط، زہد و تقویٰ اس قدر تھا جو عدالت سے بھی بڑھا ہوا تھا اور یہ ہر زمانہ میں مشہور تھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ

متاخرین علماء رجال ان عظیم المشائخ میں سے اکثر کے لئے جیسے شیخ صدوق، سید مرتضیٰ، ابن براج وغیرہ ان کے ثقہ و عادل ہونے کے لئے کسی تنصیص کی ضرورت نہیں سمجھتے اس لئے کہ ان کا حال سب کو معلوم ہے اور ان کا تزکیہ و تقویٰ کسی کے نص کرنے پر منحصر نہیں اور عام طور پر معروف و مشہور ہے اور وہ علماء فن جو ان لوگوں کے زمانے میں موجود نہ تھے انہوں نے بھی اپنے سابقہ علماء کی توثیق پر اعتماد کیا ہے۔

نیز علامہ شہیر محقق شیخ بہاء الدین عاملی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح من لایحضرہ الفقیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب میں ایک تہائی سے زیادہ احادیث (بغیر اسناد کے) مرسل درج ہیں اس کی صحت کا انہیں اس قدر یقین ہے انہیں پر اپنے فتووں کا مدار رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ احادیث ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجت ہیں اور اصولین کی ایک جماعت نے یہاں تک کہدیا ہے کہ شخص عادل کی مرسل حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ اس کو حدیث کے مضمون پر یقین ہے اس شخص کی حدیث پر جس کا عدل ثابت نہ ہو اور اسناد کے ساتھ حدیث پیش کریں یعنی ایک عادل کا یہ کہنا ہے کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کذا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اس کو ترجیح ہوگی اس پر جو یہ کہے کہ "حدثنی فلاں عن فلاں انہ قال رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کذا" بیان کیا مجھ فلاں نے روایت کرتے ہوئے فلاں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

اور ہمارے اصحاب رضوان اللہ علیہم نے شیخ صدوق کی مرسل احادیث کو ابن ابی عمیر کی مرسل احادیث کے برابر مستند و معتمد سمجھا ہے اس لئے کہ ان سب کو معلوم ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی ثقہ کی روایت ہی کو مرسل کرلیتے اور اس کی اسناد کو حذف کرلیتے ہیں جیسے ابن ابی عمیر۔

اور محقق سید داماد رحمہ اللہ اپنی کتاب الرواشح سماویہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کو مرسل کرنے والے کے نزدیک درمیان کے تمام راوی عادل نہ ہوں تو اس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ حدیث کو امام کی طرف سے منسوب کرے حدیث مرسل وہی ہے کہ جب ارسال کرنے والا یہ یقین رکھتا ہو کہ اس کے درمیان تمام راوی مستند و عادل ہیں اور وہ ان کا ذکر نہ کرے اور راست کہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کہے کہ قال الامام علیہ السلام اس لئے کہ اس کو یقین ہے کہ یہ حدیث معصوم علیہ السلام سے صادر ہوئی ہے جیسا کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں یہی کیا ہے کہ اور کہا قال الامام علیہ السلام اور محقق شیخ سلمان بحرانی نے اپنی کتاب البلغہ کے اندر اپنی گفتگو کے درمیان من لایحضرہ الفقیہ کی روایات کے معتبر ہونے کے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے اکثر اصحاب کو دیکھا ہے کہ وہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی مرسل احادیث کو صحیح کہتے ہیں اور ان کے مراسیل ابن ابی عمیر کے مراسیل سے کم معتبر نہیں ہیں جیسا کہ علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب المختلف میں اور شہید علیہ الرحمہ نے شرح ارشاد میں سید محقق داماد کی بھی یہی رائے ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے خاندان کے علماء

علم رجال کی کتابوں اور علماء کی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بنی بابویہ کے خاندان کو گروہ علماء مشائخ میں بڑا فضل و شرف کا حامل سمجھا جاتا تھا اس لئے کہ ان میں بہت سے علماء اور محدثین اور گروہ امامیہ کے بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی خدمت کی اور اپنی تالیفات اور مرویات کے ذریعہ اہل بیت علیہم السلام کے آثار کی حفاظت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا چنانچہ میرزا عبداللہ آفندی اپنی کتاب ریاض العلماء میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ یعنی حسین بن علی بابویہ اور ان کے بھائی اور ان کے صاحبزادے اور نواسے اور پوتے شیخ منتخب الدین صاحب فہرست کے زمانہ میں یہاں تشریف لائے جو سب کے سب اکابر علماء میں سے تھے مگر اس کے بعد شیخ منتخب الدین یہ نہیں لکھتے کہ ان کے حالات کیا تھے اور خود شیخ منتخب الدین علیہ الرحمہ ان کے نواسوں میں سے تھے اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کا سلسلہ تو بظاہر سوائے ان کے فرزند کے اور کوئی عالم نہیں ہوا اور شیخ محقق سلیمانی بحرانی نے بابویہ کی اولاد کی تعداد پر ایک رسالہ تصنیف کر دیا ہے اور اسی سے حائری نے اپنی کتاب منہج المقال میں بہت کچھ نقل کیا ہے مگر مجھ کو وہ رسالہ دستیاب نہ ہو سکا۔ بس ان میں سے چند کے اسمائے گرامی معلوم ہوسکے جو حقیقت میں گروہ شیعہ کے لئے باعث افتخار ہیں اور آسمان علم کے درخشاں ستارے ہیں۔

والد بزرگوار

اس کے بعد ان فاضل موصوف نے ان میں سے انیس (۱۹) علماء کے نام تحریر کئے ہیں اور ان میں سے ایک حسن ابو علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ ہیں اور وہ صدوق اول سے ملقب ہوئے اور ان دونوں کو ملا کر "صدوقان" کہتے ہیں۔

اور شہید ثانی علیہ الرحمہ کے پوتے شیخ علی کا قول تھا کہ جب میں صدوقان (دونوں صدوق) کہوں تو اس سے میری مراد دونوں بھائی ہوا کرتے ہیں یعنی محمد اور حسین یہاں تک کہ انہوں نے شہید ثانی کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ اے فرزند صدوقان (دونوں صدوق) سے مراد محمد اور ان کے والد ہیں نجاشی نے اپنی فہرست ص ۱۸۴ میں ان کے حالات تحریر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ علی ابن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی ابو الحسن اپنی عمر بھر قمیین کے شیخ ان کے فقیہ اور ان کے سردار رہے یہ عراق گئے اور ابو القاسم بن روح رحمہ اللہ سے ملے ان سے مسائل دریافت کئے وغیرہ وغیرہ جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

اور ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں صفحہ ۲۷۷ پر تحریر کیا ہے کہ ابن بابویہ اور ان کا نام علی ابن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی ہے شیعوں کے فقہاء اور ثقات میں سے ہیں۔

اور شیخ طوسی نے اپنی دونوں کتابوں میں یعنی فہرست و رجال میں ان کے حالات تحریر کئے ہیں اور علامہ حلی علیہ الرحمہ

نے اپنی کتاب خلاصۃ الاقوال میں ان کا ذکر فرمایا ہے بلکہ تمام ارباب تراجم نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور تمام علماء نے لپنے اجازوں میں ان کا نام پیش کیا ہے اور بے حد تعریف کی ہے اور ان کے حالات کا مختصر ذکر ہم اس مقدمہ کے ابتدائی صفحات میں بھی کرچکے ہیں اور یہ کہ لپنے گروہ میں ان کو کتنا بلند مقام حاصل تھا اور ان کے شرف کے لئے تو ان کے نام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا وہ مکتوب گرامی ہی کافی ہے جس میں آپ نے ان کو یا شیخی، معتمدی، فقیہی (اے میرے شیخ اے میرے معتمد اور اے میرے فقیہ) سے خطاب کیا ہے۔

یہی پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے لپنے فرزند کے لئے ایک رسالہ لکھا اس میں سارے اسناد کو ترک کرکے حدیث کے قریب ترین راوی کو لیا اور ان کے بعد جتنے لوگ بھی آئے انہوں نے اس طرز کو بہت پسند کیا اور مسائل میں ان احادیث کی طرف رجوع کیا ان کو علم ودین میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

اساتذہ

آپ کو متعدد مشائخ واساتذہ فقہ وحدیث سے شرف تلمذ حاصل رہا اور ان سے احادیث کی روایت کی جن کے اسمائے گرامی کتاب معانی الاخبار کے مقدمہ میں موجود ہیں جس کی تعداد ۲۰ عدد ہے تفصیل کے لئے اسے دیکھیئے۔

تلامذہ

اور جن لوگوں نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور آپ سے روائتیں لیں وہ مشائخ کی ایک جماعت ہے اور اسی مقدمہ میں ان کے نام مذکور ہیں ان کی تعداد دس (۱۰) ہے اگر ضرورت ہو تو اس مقدمہ کی طرف رجوع کیجئے۔

تعداد تصانیف

آپ کی تالیفات کے متعلق ہم فہرس ابن ندیم میں یہ عبارت پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب کی ایک جلد کی پشت پر ان کے فرزند محمد بن علی کے ہاتھ کی لکھی یہ تحریر پڑھی کہ "میں نے فلاں بن فلاں کو لپنے والد بزرگوار کی کتابوں کے لئے اجازت دی وہ دو سو کتابیں ہیں اور اپنی کتابوں کو جو اٹھارہ ہیں" آپ نے جیسا کہ دیکھ لیا کہ وہ دو سو کتابیں ہیں مگر ابن ندیم نے ان کتابوں کے نام تحریر نہیں کئے اور نجاشی اور شیخ طوسی دونوں نے اپنی فہرست میں تقریباً بیس (۲۰) کتابیں لکھیں ہیں اور افسوس ہے کہ انکی بہت سی کتابیں ضائع ہوگئیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی ہم لوگوں کو نہیں ملی۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی جوار رحمت میں رکھے وہ ۲۴۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے اور لپنے وطن قم میں واپس آنے کے بعد ۳۲۹ھ میں وفات پائی اور یہی وہ سال ہے جس میں بہت سے ستارے ٹوٹے ان کی قبر بہت مشہور ہے اس پر ایک

عالیشان قبہ بنا ہوا ہے اللہ کے صالح بندے ان کی قبر کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

شیخ صدوق کے بھائی حسین رحمۃ اللہ

نجاشی نے اپنی کتاب الفہرست میں ان کے حالات تحریر کئے ہیں اور کہا ہے کہ حسین بن علی بن حسین بن موسیٰ ابن بابویہ قمی ابو عبداللہ ثقہ ہیں انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت کی ہے اور اجازہ روایت کی ہے ان کی متعدد کتابیں ہیں ان میں ایک کتاب التوحید ونفی التشبیہ اور ایک عملیہ ہے جو صاحب ابی القاسم ابن عباد کے لئے تحریر کیا مجھ کو اس کے متعلق حسین بن عبیداللہ نے بتایا۔

اور شیخ طوسی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر اپنی کتاب الغیبۃ میں ۲۰۱ پر کیا ہے اور جس کو نقل کیا ہے ابن حجر نے اپنی کتاب لسان المیزان جلد ۲، ص ۳۰۶ میں اور ان کے حالات نقل کئے ہیں فہرست نجاشی سے مگر نجاشی کی عبارت سے لسان المیزان کی عبارت مختلف ہے اسے دیکھیں۔

آپ چند مشائخ سے روایت کرتے ہیں جن میں ایک تو ان کے والد ابوالحسن ابن بابویہ ہیں دوسرے ان کے بھائی ابو جعفر ابن بابویہ اور ابو جعفر محمد بن علی الاسود اور علی بن احمد بن عمران الصفار اور حسین بن احمد بن ادریس ہیں اور خود ان سے روایت کرتے ہیں شیخ ابو علی حسین بن محمد بن حسن شیبانی صاحب تاریخ قم وسید مرتضیٰ علم الہدیٰ و علی بن حسین بن موسیٰ وحسین بن احمد بن ہیثم عجلی اور احمد بن محمد بن نوح ابو العباس سیرانی کہتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کے پاس بصرہ کے اندر ماہ ربیع الاول ۳۰۰ھ میں تشریف لائے اور روایت کی ہے کہ ان سے شیخ طوسی رحمہ اللہ نے ایک جماعت کے توسط سے جیسا کہ آپ نے اس کا ذکر اپنی کتاب الغیبۃ کے ص ۲۰۹، ۲۶۲ اور ۲۶۸ پر کیا ہے۔

شیخ صدوق کے دوسرے بھائی حسن رحمہ اللہ

ابن سورہ کے حوالے سے ان کا مختصر سا ذکر اس مقدمہ کے پچھلے صفحات میں گزر چکا کہ وہ عبادت اور زہد میں مشغول رہا کرتے تھے اور لوگوں سے اختلاط کم رکھتے وہ فقیہ نہیں تھے۔

مگر دونوں کتابوں پر مقدمہ لکھنے والوں نے ان کے قریبی رشتے داروں کے نام بڑی تلاش و جستجو کے بعد سترہ (۱۷) لکھے ہیں اور ان کے اقربا میں شیخ منتخب الدین ابو الحسن علی بن عبیداللہ بن حسن (حسکا) بن حسین بن حسن بن حسین بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی کو بھی شمار کیا ہے یہ ایک مرد فاضل و محدث و حافظ تھے۔ اور مشہور ثقات اور محدثین میں سے تھے انہوں نے ایک کتاب الفہرست لکھی ہے جو ایران میں بحارالانوار کے آخری جز میں طبع ہو چکی ہے۔ شیخ منتخب الدین نے اپنے آباء واقارب واسلاف سے بہت زیادہ روائتیں کی ہیں اور کئی کئی طریقوں سے کی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے چچا زاد بھائی شیخ بابویہ بن سعد سے بھی روایت کرتے ہیں۔

اور علامہ مجلسی ثانی نے اپنی کتاب بحار الانوار کے مقدمہ میں ان کی بے حد تعریف کی وہ کہتے ہیں کہ شیخ منتخب الدین کا شمار مشہور محدثین میں ہے ان کی کتاب فہرست بے حد مشہور ہے یہ حسین بن علی بن بابویہ کی اولاد میں سے ہیں اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ ان کے بڑے چچا ہیں۔

ان کی بہت سی مولفات (کتابیں) ہیں ان میں سے ایک کتاب الاربعین من الاربعین (چالیس احادیث چالیس راویوں سے) فضائل امیرالمومنین میں ہے جو قلمی ہے۔ اور ایک کتاب فہرست ہے جو طبع ہو چکی ہے جس کا ذکر چند سطر پہلے کر چکا ہوں وہ دراصل شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی کتاب الفہرست کا تکملہ اور تتمہ ہے اور شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب امل الامل میں جو طبع ہو چکی ہے دیگر تراجم کے ساتھ ملا کر جدا کر دیا اور اس میں تمام اجازات سے استفادہ کیا ہے جیسا کہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور شیخ منتخب الدین کا رسالہ مواسعت (کشادگی) کے موضوع پر ہے جس کا نام انہوں نے "العصرہ" رکھا ہے جو ابھی غیر مطبوع ہے وہ بہت سے مشائخ سے روایت کرتے ہیں اور صاحب مقدمہ نے ان میں سے تیرہ (۱۳) نام لکھے ہیں جن میں ان کے والد عبید اللہ کا نام بھی ہے اور متاخرین سوانح نگاروں نے ان کے حالات زندگی لکھے ہیں اور بہت تعریفیں کی ہیں ان کی ولادت ۵۰۴ھ میں ہوئی اور وفات ۵۸۵ھ کے بعد ہوئی۔

وفات

شیخ صدوق الرحمہ کی وفات شہر رے کے اندر ۳۸۱ھ میں ہوئی انکی قبر شہر رے میں سید عبدالعظیم حسنی رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب ایک قطعہ زمین میں ہے جو آپ کو قبر کی وجہ سے زیارت گاہ بن گئی ہے لوگ یہاں زیارت کے لئے آتے ہیں اور اس سے برکتیں حاصل کرتے ہیں اور اس بقعہ مقدسہ کا نام بستان طغرلیہ ہے اس کا یہ نام اس لئے پڑ گیا کہ یہ طغرل بیگ سلجوقی کی قبر کے برج کے قریب واقع ہے۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ یہاں سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں اس لئے سلطان فتح علی شاہ قاچاری نے ۱۲۳۸ھ میں آپ کی روضہ کی جدید تعمیر کرا دی ان کرامتوں کا ذکر کتاب و روضات الجنات خوانساری میں صفحہ ۵۵۹ طبع ایران ۱۳۰۶ھ میں ہے اور سید ناسید حسن صدر کاظمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نہایتہ الدرایہ میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور تنکا بنی نے قصص العلماء میں محمد ہاشم خراسانی نے منتخب التواریخ میں، شیخ عباسی قمی نے فوائد رضویہ میں اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے وہاں کی کرامتیں لکھی ہیں۔

قبر شریف

آپ کی قبر شریف کا آج بھی ان چند عظیم روضوں میں شمار ہوتا ہے جہاں شیعہ زائرین حصول برکت کے لئے تمام اقطار و امصار سے پہنچتے ہیں اور اپنی اموات کو وہاں دفن کرتے ہیں روضہ کے صحن میں بہت سے علماء اور اہل فضل وایمان کی

قبریں ہیں اب ہم یہاں شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے سوانح حیات کو ختم کرتے ہیں اور اس میں سے بہت کچھ ہم نے کتاب دلیل القضاء الشرعی جلد ۳ صفحہ ۱۴۵یا صفحہ ۱۷۶ سے لیا ہے اور اس کے ساتھ اضافے کئے ہیں۔

محمد صادق بحر العلوم

نجف اشرف